Vol. 4 No.1 2021

HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اُردو تنقید میں مارکسزم اور ترقی پسند اَدیب

MARXISM AND PROGRESSIVE WRITERS IN URDU CRITICISM

جاوید اقبال

لیکچرار، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

محمد شوکت علی

لاہور، پنجاب، پاکستان

منزہ رشید

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Akhtar Hussain Raipur's philosophy is the spokesman of human unity. He exhorts the writer above all to promote human dignity and democracy. He prefers brotherhood and equality above race, nation and nation. They want to see all human beings in the world as one. They promote peace and order in society, brotherhood, tolerance and compassion. Under the shadow of Marxist and communist point of view, they talk about eliminating the distinction of color, race, class and religion. This is how their collective point of view is explained. They have tried to present extremist impressions in practical criticism. Criticizing the revolutionary tendencies of Indian politics which initially adopted terrorism. Akhtar Hussain Raipur's commitment to the progressive movement was more emotional than intellectual. Extremism and sentimentalism made him a progressive. Forced to secede from the movement and became so disillusioned that he even distanced himself from writing and composing in Urdu. Ali Sardar Jafari's thoughts and ideas are driven by the collectiveness of society. He has always raised his voice against the violation of human values. His extremism has been active in freeing the poor workers and laborers from slavery. There is also a lesson in welfare. He is seen using his pen and language against the oppression and injustice of society and humanity.

Keywords: human unity, brotherhood, human beings, extremist impressions, intellectual, extremism, oppression, injustice of society

اُردو تنقید میں ترقی پسند تحریک اور اس سے لگاؤ رکھنے والے نقادوں نے نئی روح پھونکی۔ ادب کو ایک نئے انداز فکر سے دیکھنے کا رجحان پیدا کیا۔ انھوں نے ادب کو سماجی زندگی کے پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ ترقی پسند ادب کی تحریک نے زندگی کو نئے انداز میں حقیقت کو فروغ دیا جو انسان کی داخلی صلاحیتوں کو ابھارنے اور ادب و کلچر کو ترقی دینے میں مدومعاون ہو۔ ترقی پسند ادیب، ادب کی افادیت اور مقصدیت کو اجاگر کرنے کے قائل تھے۔ انھوں نے معاشرے میں نئے ادب کی بنیاد رکھی اور ادب میں سماجی اور تہذیبی و ثقافتی مسائل کے حل کے لیے کوششیں کیں۔ ترقی پسند ناقدین ادب اور زندگی کے تعلق کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادب کا تعلق زندگی کے جس شعبے سے ہے، اسے کلچر یا تہذیب کہتے ہیں اور اس کا تعلق کسی بھی ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام سے ہوتا ہے۔ کلچر کی ترقی میں معاشی اور اقتصادی اقدار کارفرما ہوتے ہیں جو کلچر اور تہذیب کو ترقی دینے میں مدومعاون ہیں۔ ادب کا زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اور ادب زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ معاشرے میں معاشی و اقتصادی اقدار بھی زندگی میں بہت اہم پہلو کے طور پر سامنے آتے ہیں اور ادب میں سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات کا بھی اہم مقام ہے۔ ترقی پسند ادیب ادب میں طبقاتی کشمکش، دولت کی مساوی تقسیم، زندگی کی حقیقت پسندی، انسانوں میں ادبی شعور اور زندگی کے معروضی عناصر کو سمجھنے میں معاون ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں کے یہی خیالات مارکسی اور اشتراکی تصورات کو ترویج دیتے ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں میں اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر سجاد ظہیر، احتشام حسین، ڈاکٹر عبدالعلیم، ظہیر کاشمیری، علی سردار جعفری، پروفیسر محمد حسن اور پروفیسر ممتاز حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔

Vol. 4 No.1 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اختر حسین رائے پوری ترقی پسند تحریک کے ایک اہم تنقید نگار ہیں۔ انھوں نے تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے ترقی پسند نقطہ نظر کو پیش کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ان کا ایک مضمون ”ادب اور زندگی“ کے عنوان سے رسالہ ”اُردو“ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے ترقی پسند نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ اس کے بعد ان کا ایک اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ”ادب اور انقلاب“ کے نام سے منظر عام پر آیا۔ مضامین کے اس مجموعہ میں انھوں نے وہ مضامین بھی شامل کر دیے جو مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے تھے۔ جس وقت ان کا مقالہ ”ادب اور زندگی“ شائع ہوا تو اس کی اشاعت کے فوراً بعد ادبی حلقوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور اس دور میں اس مقالے نے ادبی لوگوں کے لیے ایک تنقیدی صحیفہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ ”ادب اور زندگی“ اختر حسین رائے پوری کا پہلا مضمون ہے جس نے ادب میں مارکسی نقطہ نظر کے مطابق خیالات کو پیش کیا۔ اس مضمون میں مغربی ناقدین مثلاً ٹالسٹائی، گورکی اور رومین رولا وغیرہ کی ادبی تحریروں سے استفادہ کیا گیا اور ادب اور زندگی کے سماجی رویوں کی نشاندہی کی گئی۔ اس مضمون میں مصنف نے ادب ہند کا معاشی طور پر تجزیہ کیا ہے۔ اختر حسین رائے پوری نظام معاش کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”نظام معاشی کا بنیادی پتھر، ضروریات زندگی کی پیداوار پر رکھا گیا ہے اور سماج اسی وقت تک قائم ہے جب تک اس کے افراد کا رشتہ باہمی مستحکم ہے جس کی ضمانت ہر فرد کی ضروریات کی تکمیل ہے۔ اس سے یہ لازم آیا کہ پیداوار اور تقسیم کے طریقے ایسے ہونے چاہئیں کہ ہر فرد اپنی بساط کے مطابق محنت کر کے اپنی ضروریات حاصل کر سکے۔ یعنی پیداوار اور تقسیم کا ارتباط رشتہ افراد کے استحکام کا ضامن ہو سکے۔ ہر فلسفہ زندگی کا منشہ یہی ہے کہ فرد کو روحانی ذہنی و جسمانی نشوونما کا موقع مل سکے۔ مگر انسان کا مادی وجود اس کا متقضی ہے کہ سب سے پہلے اس کی جسمانی ضروریات کا انتظام ہو۔ سرمایہ یا امارت سے وہی لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں جو پیداوار کے ذرائع پر کسی نہ کسی طرح قابض ہوتے ہیں، غریب و فقیر وہ لوگ ہیں جو ان کی ملکیت سے محروم ہیں۔“(۱)

اختر حسین رائے پوری کے اس اقتباس سے معاشرتی زندگی میں معاشی نظام کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وہ دولت کی مساوی تقسیم کے حق میں ہیں کیوں کہ ضروریات زندگی کا تعلق زر سے ہے۔ اس لحاظ سے وہ لوگ مستحکم ہیں جنھوں نے پیداواری قوتوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ اس ضمن میں سرمایہ دارانہ نظام، سامراجی نظام اور جاگیر دارانہ نظام سر فہرست ہیں۔ وہ خود تو زیادہ منافع حاصل کرتے ہیں اور مزدور طبقہ کا استحصال کرتے ہیں۔ اختر حسین اس معاشی جبر و ظلم کو ختم کرنے کے قائل ہیں اور معاشرے میں ایک وحدت قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ غریب کو اس کی محنت کا پورا پھل دینے کے لیے احتجاج کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے یہاں سماجیات، اقتصادیات اور سیاسیات کے پہلو نمایاں ہیں، جن سے مارکسی نقبہ نظر اور ترقی پسند تحریک کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

اختر حسین رائے پوری کے نزدیک صحیح ادب وہی ہے جس میں انسانیت کے مقصد کی ترجمانی ہوتی ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ وہ ادین اور شاعر کو اپنی تخلیقوں میں خدمت خلق کے جذبے کو ابھارنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ادیب کو ماضی، حال اور مستقبل کو سمجھنا بہت ضروری امر ہے۔ زندگی کو سمجھنے کے لیے جس ماحول کا آپ تجزیہ کر رہے ہیں، اس میں رہنا بہت ضروری ہے۔ ان کے خیال میں ادب کو انسانیت کی بہتری اور ترویج کی منزلوں کو متعین کرنا چاہیے۔ وہ انسانی ترقی کے زینوں کی طرف گامزن ہو، ادب انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے تخلیق کیا جائے اور انسانی شعور کی منزلوں کو عیاں کرنے کے لیے معرض وجود میں لایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادیب کو عملی طور انسانیت کی خدمت اور فلاحی کاموں میں بھی حصہ لینا چاہیے۔ کٹر حسین رائے پوری ادیب کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

> ”ہر ایمان دار اور صادق ادیب کا مشرب یہ ہے کہ قوم و ملت اور رسم و آئین کی پابندیوں کو ہٹا کر زندگی کی یگانگی اور انسانیت کی وحدت کا پیغام سنائے۔ اسے رنگ و نسل اور قومیت و طنیت کے جذبات کی مخلفت اور اخوت و مساوات کی حمایت کرنی چاہیے اور ان تمام عناصر کے خلاف جہاد کا پرچم بلند کرنا چاہیے جو دریائے زندگی کو چھوٹے چھوٹے چہبچوں میں بند کرنا چاہتے ہیں۔“(۲)

اختر حسین رائے پوری کا فلسفہ انسانی وحدت کا ترجمان ہے۔ وہ ہر چیز سے بالاتر ادیب کو انسانی عظمت اور جمہوریت کے فروغ کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ رنگ و نسل، قوم و ملت سے بالاتر ہو کر اخوت اور مساوات کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایک وحدت کی شکل میں دیکھنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرے میں امن و امان، بھائی چارے، رواداری اور ہمدردی کو فروغ دیتے ہیں۔ مارکسی اور اشتراکی نقطہ نظر کے زیر سایہ وہ ادب میں قوم، رنگ، نسل، طبقہ اور مذہب کی تفریق کو مٹانے کی بات کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے اشتراکی نقطہ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔ انھوں نے عملی تنقید میں انتہا پسندانہ تاثرات کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ

Vol. 4 No.1 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

نذرالاسلام کی شاعری پر تنقید کرتے ہوئے ہندوستانی سیاست کے اُن کے انقلابی رجحان کو پیش کرتے ہیں جس نے شروع میں دہشت پسندی اختیار کی۔ترقی پسند تحریک سے اختر حسین رائے پوری کی وابستگی فکری نسبت سے زیادہ جذباتی تھی۔انتہاپسندی اور جذباتیت کے رویے نے ان کو ترقی پسند تحریک سے علیحدگی پر مجبور کر دیااور وہ ایسے بد ظن ہوئے کہ انھوں نے اردو زبان میں تصنیف و تالیف سے بھی دوری کا ظاہرہ کیا۔ان کی تنقید اب تاریخی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔بہرحال ان کی اردو تنقید میں ”ادب اور زندگی“ اور ”ادب اور انقلاب“ کی اہمیت ضرور رہے گی اور ان کے نام کو اردو تنقید میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔انھوں نے اردو ادب میں جہاں ناول اور افسانے لکھے وہاں اردو تنقید پر بھی طبع آزمائی کی۔وہ اشتراکی نظام کی جدوجہد میں شامل ہوئے اور ترقی پسند ادیبوں کو اسی نظام کی طرف راغب بھی کرتے رہے۔ان کی طبیعت میں جذباتی انداز فکر نہیں ہے بلکہ نفاست اور لطافت کا پہلو زیادہ ہے۔ان کے یہاں بھی ترقی پسندی کے جذبات اور مارکسی نقطہ نظر کی ترجمانی ہوتی ہے۔وہ ادب اور زندگی کو باہمی طور پر ہم آہنگ کر کے معاشرتی ماحول کا تجزیہ کرتے ہیں۔معاشرے کو وہ بھی معاشی حالات و کیفیات کے مدوجزر میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں۔وہ شاعری میں ان حالات و خیالات کو پیش کرنے کے قائل ہیں جن سے معاشرہ ترقی کی طرف گامزن ہو، تخیل اور جذبات میں کلچر کی ترقی کے جذبات و احساسات کو پیش کیا جائے۔شاعری میں موضوعات کو وسیع پیمانے پر دیکھنے کے قائل ہیں اور زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق موضوعات کا تعین کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔سجاد ظہیر انقلابی شاعروں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”ہمارے نوجوان شاعروں کا انقلاب کا تصور بہت ”سادہ“ ہے۔ان کی نظموں میں کافی بھیانک تصویر ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔انقلاب کے تخریبی پہلو پر اتنا زور دیا گیا ہے ار اسے اتنا مزہ لے لے کر بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے انقلابی شاعروں نے ایک حد تک سرمایہ داروں اور استعمار پرستوں کی کھینچی ہوئی انقلاب کی ہولناک تصویر کو اپنا لیا ہے جو وہ عوام کو انقلاب سے ڈرانے کے لیے کھینچتے رہتے ہیں۔انقلاب کے اس خونی تصور میں رومانیت جھلکتی ہے۔یہ ایک طرح کی ادبی دہشت انگیزی ہے۔یہ ایک ذہنی اور جذباتی بلوہ ہے جو ایک درمیانی طبقے کے انقلاب پرست نوجوان کے لیے ابتدا میں شاید جائز ہو،لیکن اشتراکی شاعر کو اس سے دور رہنا چاہیے۔“(۳)

سجاد ظہیر انقلابی شاعری میں دہشت انگیزی اور تخریب کاری کو پسند نہیں کرتے اور اشتراکی نقطہ نظر رکھنے والے شعرا کو ایسی انقلابی شاعری سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔جس سے معاشرتی ہنگامہ آرائی پیدا ہو،وہ تو ادب کو مقصدی طور پر پیش کرنے کے قائل ہیں۔وہ قوم کو بیدار کرنے کے لیے تخریب کاری کو پسند نہیں کرتے بلکہ عوام میں شعور آگہی کو فروغ دیتے ہیں۔ صحیح انقلابی عمل کے لیے شاعر اور ادیب کو عملی طور پر عوام کی روزمرہ کی جدوجہد میں شامل ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔وہ اشتراکی نقطہ نظر سے ادیب کو عوام میں گھل مل جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔سجاد ظہیر نے اپنی زندگی میں سیاسی کارکن کے طور پر بھی سرگرم رہے،لیکن اس کے ساتھ ساتھ تخلیقی کام بھی سرانجام دیا۔اس کی وضاحت وہ اپنے ناول ”لندن کی ایک رات“ میں کرتے ہیں۔وہ شعر و شاعری میں نرم و نازک خیال،لطف و مسرت کے پہلو اور ذہنی رویے کو ادبی لحاظ سے حل کرنے کو فروغ دیتے ہیں۔وہ انتہا پسند اور تخریب کاری پر مشتمل ادب سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ان کا اردو ادب میں تنقیدی کام زیادہ نہیں ہے،لیکن پھر بھی چند مضامین مل جاتے ہیں۔انھوں نے جوش کی نظموں اور نذرالاسلام کے تراجم سے متاثر ہو کر ۱۹۳۹ء میں ”اردو کی جدید انقلابی شاعری“ پر مضمون لکھا جو نیا ادب میں شائع ہوا۔وہ ادب میں پروپیگنڈہ کا قائل نہیں تھے بلکہ ادب کو زندگی سے مربوط کرنا چاہتے تھے۔سجاد ظہیر انقلابی نظموں کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ”واعظانہ اور خطیبانہ انداز بھی ہماری انقلابی نظموں میں کافی پایا جاتا ہے۔یہ بھی پرانے طرز کی شاعری کا ترکہ ہے جس سے ہم اپنا دامن چھڑا لیں تو اچھا ہو۔یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیں نوجوانوں پر اثر ڈالنا ہے،انھیں ترقی پسندی اور عمل کے راستے پر لے جاتا ہے،ان کے جذبات کو بیدار کرتا ہے۔لیکن فن کے ماہر جانتے ہیں کہ ناصح وہ چاہے کتنا ہی شفیق کیوں نہ ہو ہمیشہ ناپسند کیا جاتا ہے۔”نوجوان سے خطاب“،”طالب علموں سے خطاب“،”سپاہی سے خطاب“ اب بند ہونا چاہیے۔اگر آپ کو کچھ کہنا ہے تو آپ یہ ”ملاپن“ چھوڑیے ورنہ لوگ آپ کا بھی مذاق اڑائیں گے۔“(۴)

Vol. 4 No.1 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سجاد ظہیر نے اپنے تنقیدی مضامین میں ماضی کے ادبی ورثے کا تجزیہ کیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی نے میرؔ کو قنوطی اور فراری شاعر کہا اور اس کے مطالعہ کو اس عہد کے ادیبوں کے لیے بے کار قرار دیا ہے۔ اسی زمانے میں خواجہ احمد فاروقی کی کتاب ''مثنوی زہر عشق کا مطالعہ'' کو ہنس راج رہبر نے جاگیر دارانہ تمدن کی روشنی میں پیش کیا اور اس طرح کے تنقیدی مطالعہ کو بے مصرف قرار دیا۔ سجاد ظہیر نے ''غلط رجحان'' کے عنوان سے مضمون لکھا اور تنقیدی رویے کی گمراہی کو واضح کیا۔ ظ۔ انصاری نے غزل کو جاگیر دارانہ تمدن کی یادگار اور فراری ادیبوں کی پناہ گاہ قرار دیا۔ اسی طرح حافظؔ کو رجعت پسند اور فراری شاعر کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کے جواب میں سجاد ظہیر نے ''ذکر حافظ'' کے عنوان سے مقالہ لکھا جو کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں حافظ کے ادبی اور فنی ذوق کی نشان دہی کی گئی ہے۔ سردار جعفری جو اپنے آپ کو سب سے بڑا ترقی پسند شاعر تصور کرتا ہے، ان کی نسبت سے فیض کی شاعری کو سجاد ظہیر نے ترقی پسند تحریک میں اہم قرار دیا ہے۔ انھوں نے فیض کے مجموعہ ''زنداں نامہ'' کے تعارف میں فیض کی نظموں اور ان کی شاعری کی انفرادیت کو نمایاں کیا ہے۔ سجاد ظہیر کے اہم مضامین میں ''سمترانندن پنت''، ''لوئی آراگوں''، ''شعر محض'' اور ''جدید فرانسیسی شاعری'' بھی قابل ذکر ہیں۔ ان کا اردو ادب کے لیے کام تعریف کن ہے۔ البتہ اردو تنقید پر ان کی تصانیف زیادہ نہیں ہیں، لیکن مضامین تاریخی اور ادبی لحاظ سے قابل ستائش ہیں۔

ڈاکٹر عبد العلیم نے اردو تنقید پر بہت زیادہ نہیں لکھا، لیکن جو لکھا اس میں ہمیں ترقی پسند تحریک سے مربوط نظریات و خیالات ضرور مل جاتے ہیں۔ اردو تنقید پر ان کا مضمون ''ادبی تنقید کے بنیادی اصول'' قابل ذکر ہے۔ اس میں انھوں نے ادبی تنقید کے بنیادی اصولوں اور علمی تحقیق کے موجودہ طریقوں پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ تحقیق میں ادبی کارناموں کو پرکھنے اور نقاد کے فرائض کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ادب میں حسن اور جمالیات کا کیا مقام ہے اور جمالیات میں مادیت اور عینیت کے فلسفوں کو بھی پیش کیا ہے۔ وہ جمالیات کو انسان اور ماحول سے دور نہیں کرتے بلکہ ان کی مطابقت کو قائم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حسن اور افادہ ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں اور حسن میں افادیت کا پہلو ہے تو وہ حسین ہے۔ اگر اس میں زندگی سے ہم آہنگی نہیں ہے تو وہ فضول ہے۔ ان کے نزدیک فن کار وہ ہے جو ادب اور زندگی کو مشاہدات و تجربات کی روشنی میں پرکھے اور سماجی نظام کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کرے۔ اردو تنقید پر ان کے مضامین ''ادبی تنقید کے بنیادی مسائل'' اور ''مارکسزم اور ادب'' اہم ہیں۔ وہ ''مارکسزم اور ادب'' کے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''تہذیب اور فن کے بارے میں مارکسزم کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مادی زندگی کا نظام پیداوار انسان کی سماجی اور ذہنی کیفیات کا تعین کرتا ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نظام پیداوار اور آرٹ میں براہ راست اور میکانکی تعلق ہے۔ آرٹ خالص معاشی توجیہ اور تعبیر سے ہمیشہ احتراز کرتا ہے۔ مارکسزم کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ معاشی کیفیت وہ بنیاد ہے جس پر انسان کی سماجی اور ذہنی زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔''(۵)

ڈاکٹر عبد العلیم مارکسزم کے نظریہ کو صرف معاشی عنصر تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ اس میں دوسرے عوامل کو بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی ذہنی زندگی میں معاشی عنصر بنیادی اور لازمی ہے۔ اس سے عوام کی سماجی زندگی میں حالات و واقعات پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور جس کے اثرات شاعروں اور ادیبوں کے ذہن پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ وہ معاشرتی ماحول کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ادب تخلیق کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبد العلیم نے جہاں ادب پر معاشی نقطہ نظر کو پیش کیا ہے وہاں مارکسی جمالیات پر بھی زور دیا ہے: ''مارکسی جمالیات ان معیاروں کا تعین کرتی ہے جو کلاسیکی اور جدید ادب کو باہم مربوط کرتے ہیں اور موجودہ دور میں اعلیٰ ادب کا باعث ہوتے ہیں۔''(۶)

ڈاکٹر عبد العلیم جدید اور اعلیٰ ادب میں مارکسی جمالیات کو پیش کرتے ہیں۔ ادب اور آرٹ میں مارکسزم کے نقطہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے اور نقادوں کے مارکسزم کے بارے میں غلط تصورات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کی جدید تر کیفیات اور مارکسزم کے بارے میں غلط فہمیوں کو کارل مارکس، لینن، اینگلز، دانتے، شیکسپئیر، ٹالسٹائے اور بالزاک وغیرہ کے نظریات کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔ ہندوستانی اور ایرانی ادب میں فردوسی، اوحی، سعدی، تلسی داس، کالی داس، ٹیگور، غالب، اقبال وغیرہ کو اہم قرار دیا گیا ہے۔ ان ادیبوں اور شاعروں نے صحیح معنوں میں انسانی معاشرے کو اپنی تخلیقات میں اجاگر کیا۔ ڈاکٹر عبد العلیم مارکسزم اور جمالیات کے ضمن میں کہتے ہیں کہ: ''مارکسزم کی رو سے اچھا آرٹ وہ ہے جو صداقت کے ساتھ حقیقت کی عکاسی کرے اور جس میں مثبت طور پر جمالیاتی عنصر موجود ہو۔''(۷)

Vol. 4 No.1 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

انسان کی سماجی زندگی تغیر پذیر ہے اور ماحول میں خارجی تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ڈاکٹر عبدالعلیم آرٹ میں حقیقت پسند اور وفادارنہ اندازِ بیان کے قائل ہیں۔وہ مارکسی نقاد کو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مغالطے کو دور کرنے کے ساتھ آرٹ میں حقیقی اور معروضی معیار کو قائم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔انھوں نے ادب میں سیاسی اور جمالیاتی قدر کو مشرقی اور مغربی مفکروں کے نظریات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔اشتراکی ادب میں رومانیت اور حقیقت پسندی دونوں کی گنجائش ہے اور رومانیت میں حقیقت پسندی کا عنصر بھی پیش کیا جائے۔فرضی یا خیالی رومانیت حقیقت کی متحرک اور نامیاتی شکل کو پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے۔مارکسزم آرٹ میں یاس پسندی اور بیمار ذہنیت کو عیب تصور کرتی ہے۔وہ رجائیت کو انسانی زندگی سے مربوط کرتی ہے۔اشتراکی حقیقت پسندی کی بنیاد مادی فلسفہ پر ہے جس میں آرٹ اور سائنس پر زور دیا گیا ہے۔ڈاکٹر عبدالعلیم کے ادبی تنقیدی تصورات میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ان کے تنقیدی مضامین میں مارکسی نقطہ نظر،مارکسی جمالیات اور جمالیاتی حظ کار فرما ہے۔انھوں نے ادبی تنقید کے اصولوں کے ساتھ مارکسزم اور ادب کے باہمی روابط کو بھی ممتاز کیا ہے۔

سید احتشام حسین کے تنقیدی مضامین میں ترقی پسند خیالات و نظریات کی رمزیت کار فرما ہے۔اس ضمن میں ان کا ایک مجموعہ ''تنقیدی جائزے'' اہم ہے جس میں ترقی پسند تصورات کی آبیاری ہوتی ہے۔ان کے تنقیدی نظریات میں ماحول اور سماجی زندگی کے عصری تقاضوں سے آگاہی ہوتی ہے۔وہ سماجی زندگی میں مقاصد کے قائل ہیں اور ادب برائے ادب سے ہٹ کر ادب میں معروضی عوامل اور اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود کے حامی ہیں۔ان کے نزدیک ادب کو حقیقت پسند،سماجی مسائل کو حل کرنے اور عوام کی درست رہنمائی کا حامل ہونا چاہیے۔وہ فنی اور جمالیاتی دونوں پہلوؤں کو ادب کے لیے لازم قرار دیتے ہیں۔ان کی تنقیدی کاوشوں میں جہاں اشتراکی اور مارکسی نقطہ نظر کی نشان دہی ہوتی ہے وہاں تاریخی،مادی،اقتصادی،سیاسی،عمرانی اور سماجی پہلوؤں سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ترقی پسند تحریک کا فلسفہ حیات مادی اور تاریخی جدلیت کے مرہون منت ہے اور ادب میں مواد کی خاصیت زیادہ اہم ہے۔ادب میں ہئیت و اسلوب کی نسبت مواد کو زیادہ فوقیت حاصل ہے۔سید احتشام حسین ادب میں ہئیت اور مواد کے ضمن میں لکھتے ہیں؛

> ''ترقی پسند ادب کا زاویہ نظر مواد اور ہئیت کے تعلق کے بارے میں بہت واضح ہے۔وہ تمام شعرا اور نقاد جو زندگی کو نامیاتی مانتے ہیں۔جو مقدار سے خصوصیتوں کے بدلنے کے قائل ہیں۔جو شاعری کو زندگی کا مظہر مانتے ہیں جو ادب کو سماجی ترقی کا الہ سمجھتے ہیں اور جو تمدن کو عام کرنا اور فنون کو عوام کی چیز بنانا چاہتے ہیں۔وہ کسی حالت میں ہئیت و اسلوب کو مواد پر اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔''(۸)

سید احتشام حسین کے نزدیک ادب کو تہذیب کا ترجمان ہونا چاہیے۔ادب کا مقصد کلی طور پر جانبداری ہو،فلاح بہبود کے ساتھ انسان دوستی کا بھی سبق موجود ہو اور یہ کسی ایک گروہ اور طبقہ کی طرفداری میں تخلیق نا کیا گیا ہو۔ادب وہی زندہ رہتا ہے جس میں قومی تہذیب، قومی زندگی،زندگی کی پائیداری اور سماجی ہم آہنگی کے امکانات موجود ہیں۔ایسا ادب جس میں فاشزم کے عوامل کار فرما ہیں،وہ تاریخ کے طلبا کے پڑھنے کے کام آسکتا ہے،لیکن اس کی ادبی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ایک اچھا ادیب اور تخلیق کار تہذیب، قوم،سماج اور زندگی کی حقیقت پسندی کا ترجمان ہوتا ہے۔سید احتشام حسین ادب میں فاشزم کے خلاف ہیں۔ان کا نظریہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ مارکسی بھی ہے۔ان کے خیال میں ادب تہذیب کی بقا اور ارتقا کا پیش خیمہ ہے۔ان کے تنقیدی مضامین میں جہاں ترقی پسند اور مارکسی نظریات کی روش دکھائی دیتی ہے وہاں ادب،ادیب، تہذیب اور زندگی سے مربوط عوامل کی بھی کار فرمائی ہے۔

علی سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے نمائندہ ہیں۔انھوں سجاد ظہیر اور ڈاکٹر عبدالعلیم کے بعد ترقی پسند خیالات و نظریات کو برصغیر میں جاری رکھا اور ترقی پسند تحریک کی ترویج میں اپنا کردار ادا کیا۔اردو ادب میں وہ مختلف جہات میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔وہ شاعر، محقق،نقاد،افسانہ نگار،ڈرامہ نگار اور صحافی کی حیثیت سے اردو ادب میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی وجہ شہرت ایک شاعر کے طور پر اردو ادب میں خاص ہے۔''ترقی پسند ادب'' ان کی ایک تنقیدی تصنیف ہے جو ایک عرصہ سے ادبی دنیا میں موضوع بحث بنی رہی۔اس کے علاوہ ان کی اہم تنقیدی کتب میں ''لکھنؤ کی پانچ راتیں''،''اقبال شناسی''اور ''پیغمبرانِ سخن''اہم ہیں۔۱۹۶۹ء میں ''اقبال شناسی''منظر عام پر آئی،اس کتاب میں اقبال کی شخصیت اور ان کی زندگی کے اہم گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔۱۹۶۵ء میں ''پیغمبرانِ سخن''شائع ہوئی جس میں میرؔ و غالبؔ اور کبیرؔ داس کی شاعری پر تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔''Ghalib and his Poetry'' علی سردار جعفری کی ایک اہم کاوش ہے جس نے ان کی ادبی عظمت کو ادبی حلقوں میں نمایاں کیا۔

Vol. 4 No.1 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

افسانوں میں ان کا پہلا مجموعہ ''منزل'' کے نام سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ان کا شعری مجموعہ ''پرواز'' کے نام سے سب سے پہلے ۱۹۴۳ء میں شائع کیا گیا۔۱۹۴۴ء میں ڈرامہ ''پیکار'' کے عنوان سے اور ایک طویل تمثیلی نظم ''نئی دنیا کو سلام'' کے عنوان سے ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی۔اسی طرح شعری مجموعہ ''خون کی لکیر''(۱۹۴۹ء)،''امن کا ستارہ''(۱۹۵۰ء)،طویل نظم''ایشیا جاگ اٹھا''(۱۹۵۱ء)،نظموں کا مجموعہ''پتھر کی دیوار''(۱۹۵۳ء)،شعری مجموعہ''لہو پکارتا ہے''(۱۹۴۸ء)اور نظموں کا مجموعہ ''ایک خواب ایک منظر''(۱۹۶۴ء) میں شائع ہوئے۔ان کے شعری مجموعوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا اصل مقام شاعری ہے،لیکن ان کی شاعری میں ترقی پسند افکار بھی جلوہ گر ہوتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالغنی موصوف کے ادبی مقام کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''علی سردار جعفری صرف ایک ترقی پسند شاعر کا نام نہیں بلکہ ایک تحریک اور ایک عہد کا نام ہے جو مختلف جہات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔وہ بیک وقت افسانہ نگار،ڈرامہ نویس،شاعر،ادیب،صحافی اور سلجھے ہوئے مقرر،خطیب اور فلم پروڈیوسر بھی تھے۔سردار جعفری دراصل ترقی پسند تحریک میں افسانہ نگاری کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''منزل'' ۱۹۳۸ء میں نظر عام پر آیا لیکن بعد میں شاعری کی طرف مائل ہوئے اور اپنی شاعری میں سامراجی نظام،فسطائیت،ظلم و استبداد،مذہبی تنگ نظری اور فرقہ پرستی کو نشانہ بنایا،مزدوروں اور محنت کشوں کی حمایت میں ہمدردانہ رویہ اختیار کیا تو انتہا پسندی اور باغیانہ پن تک پہنچ گئے۔''(۹)

علی سردار جعفری کے خیالات و تصورات میں معاشرے کی اجتماعیت کار فرما ہے۔انھوں نے انسانی اقدار کی پامالی کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھائی۔ان کی انتہا پسندی غریب مزدوروں اور محنت کشوں کو غلامی سے چھوڑانے کے لیے سرگرم رہی۔ان کی شاعری میں عوام کی فلاح و بہبود کا سبق بھی موجود ہے۔وہ اپنے قلم اور زبان کو معاشرے اور انسانیت پر ہونے والے جبر و ناانصافی کے خلاف استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔شاعری میں عوامی امنگوں،ڈھرکنوں اور دردوسوز کو محسوس کرنے کی جھنکار ہے۔ان کی شاعری میں جہاں ترقی پسند افکار و تصورات ملتے ہیں وہاں ترقی پسند ادبی تنقید میں مضامین بھی شامل ہیں۔تنقیدی خیالات و تصورات کے ضمن میں ان کی تصنیف ''ترقی پسند ادب'' ایک اہم کاوش ہے۔ادب میں حقیقت پسند اور تغیر پذیر قدروں کے ساتھ ادب کو تاریخ کی حرکت اور سماج میں ہونے والی تبدیلیوں کے زیر سایہ پیش کرتے ہیں۔ترقی پسند خیالات کی ہم آہنگی میں مارکس اور اینگلز کے افکار و نظریات کے قائل ہیں۔ادب میں موضوع کی اہمیت اور جمالیاتی حظ پر زور دیتے ہیں۔ان کی ادبی کاوشوں میں ترقی پسند افکار کے ساتھ مارکسی نقطہ نظر کی ترویج بھی ہوتی ہے۔

ظہیر کاشمیری کا شمار بھی ترقی پسند تحریک کے رکن کے طور پر کیا جاتا ہے۔وہ مزدوروں اور کسانوں کی سرگرمیوں میں بھی شریک رہے،ان کی زندگی میں قید و بند کے مراحل بھی آئے،مزاج میں جوشیلا پن اور مجاہدانہ صلاحیتیں موجود تھیں۔اردو ادب میں شاعری اور تنقید دونوں میں طبع آزمائی کی۔ان کے تنقیدی تصورات میں مارکسی اور اشتراکی نقطہ نظر کی ترویج ہوتی ہے۔

ترقی پسند افکار کی نسبت سے ان کی تصنیف ''ادب کے مادے نظریے''ایک اہم کاوش ہے۔انھوں نے معاشرے میں مادے اور نظریات کی وضاحت کو مغربی ادیبوں اور تاریخی پس منظر میں اجاگر کیا۔ان کے نزدیک مادہ پرست ادیب کی مثالیت میں تجزیاتی عنصر زیادہ اور غیر مادہ پرست ادیب کی مثالیت تکمیلی عنصر سے بھرپور ہوتی ہے۔ادب پر خارجی اور داخلی پہلوؤں کا اثر کار فرما ہوتا ہے جس سے انسانی دماغ اثرات رونما ہوتے ہیں۔ادب کا تعلق زندگی اور زندگی کا تعلق ادب سے ہوتا ہے۔ادب برائے ادب فنی ہو یا جمالیاتی،نفسیاتی طور پر کائنات کو ایک مسلسل عمل کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا بلکہ خارجی متعلقات کو نظر انداز کرتے ہوئے مادی رشتوں کو بھی نمایاں نہیں کیا جاتا۔مادہ سے زندگی اور زندگی سے مادہ کی پرورش ہوتی ہے اور ہر مادی وجود ایک مستقل خارجی عمل کا حصہ ہوتا ہے۔کائنات مسلسل تغیر اور تبدیلی کا عمل ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔کائناتی نظام کے ضمن میں ظہیر کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''کائناتی عمل مسلسل ہونے کے علاوہ جدلیاتی اور خود قبائن بھی ہے۔اس میں لا تعداد ضدیں اور ان گنت طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔یہ عمل بلاوسطہ اور مستقیم نہیں۔بلکہ بالواسطہ اور منحنی ہے، کبھی منفی حلات غالب ہوتے ہیں اور کبھی مثبت کائناتی عمل کے اس جدلیاتی پہلو کا شعور مصنف کو جماعتی جنگ کا احساس دلاتا ہے۔وہ دیکھتا ہے کہ معاشرہ کی زندگی یکسانیت اور مساوات کی حامل نہیں بلکہ اس میں کئی متنازعہ جماعتیں ہیں ہر جماعت کا اسلوب حیات اپنا ہے۔''(۱۰)

Vol. 4 No.1 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"ادب کے مادی نظریے" ظہیر کاشمیری کی ترقی پسند تنقید کے حوالے سے ایک اہم کاوش ہے۔ تنقید کے قارئین کے لیے ترقی پسند تصورات کو مادی تناظر میں دیکھنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہاں ترقی پسند افکار کو مادی پس منظر میں تاریخی جائزہ لیتے ہوئے ادب کے قرینوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔"ادب کے نظریے" میں اقتصادی، اشتراکی، مارکسی اور کمیونزم خیالات تصورات کو عرق ریزی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ ادب میں ظہیر کاشمیری اجتماعیت کی اہمیت وضرورت پر زور دیتے ہیں اور سماجی زندگی میں تاریخی پس منظر کو بھی پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد حسن بھی ترقی پسند تحریک اور مارکسی نظریات کے حامل نقاد ہیں۔ اس ضمن میں ان کی تصنیف "مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ" بہت اہم کاوش ہے۔ اس میں تنقیدی ادراک کی ابتدا، افلاطون اور ارسطو کے تنقیدی نظریات، روم، چین اور جاپان کے تنقیدی تناظر، ہندوستان، عرب و ایران اور مغربی یورپ کے تنقیدی نظریات، طریق کار، ادب، تہذیب اور تاریخ، روس، امریکا کی نئی تنقید، تشکیلیت اور ساختیت جیسے مضامین کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہیئتی تنقید، ادبی تنقید، مارکسی تنقید، ادبی سماجیت اور تقابلی تنقید کے تناظر میں تنقیدی نظریات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد حسن مارکسی نقاد کے مادی تصور کے ساتھ ادب کے سماج پر اثرات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ انسانی سماج کی سبھی سرگرمیوں کی نوعیت طبقہ داری ہے اور ادب پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مارکسیت اور مارکسی نقاد ادب میں جدلیت اور جدلیاتی کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر محمد حسن، مارکس اور اینگلز کے مادے کے ضمن میں نظریات سے متاثر ہیں۔ مادی کی بنیادی اہمیت اور اس کی میکانکی نوعیت اور ادب و سماج پر اس کے اثرات کی کھوج لگاتے ہیں۔ پروفیسر محمد حسن مارکسی تنقید کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "مارکسی تنقید اس کے دعوے دار نہیں کہ دور کی صرف ایک ہی حقیقت ہوتی ہے بلکہ وہ ہر دور کی حقیقت کو مختلف ارتقاپذیر اور زوال آمادہ حقیقتوں سے متصادم مانتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی دو ہم عصر ادیب اپنے دور کی سچائیوں کو دو مختلف زاویوں سے دیکھتے اور اپناتے ہیں تو لازم ہے کہ اس میں بہت سی پیچیدگیوں کو دخل ہے۔ مارکسیت فرد کے داخلی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتی۔ ایک فرد کسی طبقے سے متعلق ہوتے ہوئے بھی اپنے کو declares کر کے اپنے طبقے کے مفادات سے شعوری طور پر الگ اور کسی دوسرے طبقے سے نظریاتی طور پر اپنے کو وابستہ کر سکتا ہے۔"(۱۱)

پروفیسر محمد حسن کا مارکسی تنقید میں طبقاتی کشمکش اور سماجی کیفیات کے بدلتے ہوئے رویوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ انھوں نے مغربی اور مشرقی ادیبوں کے ترقی پسند خیالات کی ترویج کی ہے۔ ان کا نقطہ نظر ترقی پسند اور مارکسی ہے۔ وہ ادب میں حقیقت پسند افکار و نظریات اور سماجی طبقوں کی ہم آہنگی کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے سماجی زندگی کے تاریخی پس منظر کو مادی، جدلیاتی، طبقاتی نظام کو مختلف مغربی نقادوں اور مشرقی نقادوں کے تصورات و نظریات کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ ان کی تصنیف "مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ" ترقی پسند ادب اور اس کی افادیت کو اجاگر کرنے کی ایک اہم کاوش ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر حسین رائے پوری، ادب اور زندگی، مشمولہ، ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر، مرتبین، پروفیسر قمر رئیس / سید عاشور کاظمی، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۱۶۰

۲۔ ایضاً، ص:۱۶۲

۳۔ سجاد ظہیر، بحوالہ، مشمولہ، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۵ء، ص:۲۹۱

۴۔ ایضاً، ص:۲۹۱۔۲۹۲

۵۔ عبدالعلیم، ڈاکٹر، مارکسزم اور ادب، مشمولہ، ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر، مرتبین، پروفیسر قمر رئیس / سید عاشور کاظمی، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۱۸۸

۶۔ ایضاً، ص:۱۹۱

۷۔ ایضاً، ص:۱۹۳

۸۔ احتشام حسین، سید، تنقیدی جائزے، مشمولہ، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۵ء، ص:۲۶۷

۹۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، علی سردار جعفری بحیثیت ترقی پسند شاعر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص:۲۷

۱۰۔ ظہیر کاشمیری، ادب کے مادی نظریے، کمال پبلشرز، ۱۹۷۵ء، ص:۱۸

۱۱۔ محمد حسن، پروفیسر، مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص:۳۱۴